www.novelsclubb.com
NC arts
فریب تیری ذات کا
از قلم مریم بتول جکھڑ
IG / FB : NOVELSCLUBB

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

# فریب تیری ذات کا

## از قلم

## مریم بتول جکھڑ

www.novelsclubb.com

ابراہیم چوہدری کے قتل کی خبر ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ یہ گاؤں گجرات کے بالکل ساتھ تھا۔ گجرات کے علاوہ اور بھی کئی جگہوں تک یہ خبر پہنچ چکی تھی۔

وہ، الماں اور فاطمہ خاتون گاؤں پہنچ چکے تھے۔ اسد کو پہلے ہی علم ہو چکا تھا اِس لئے وہ وہیں پر تھا۔ گھر میں خواتین کی آہ و بکا کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ شام کے وقت جنازے کے بعد تمام آئے ہوئے لوگ واپس جا رہے تھے۔ کچھ وہیں رُک گئے تھے۔ سب کچھ ہوتا جا رہا تھا اور کوئی اِسے ہونے سے روک بھی نہیں پا رہا تھا۔ کیا انسان کو قبر میں جانے سے روکا جا سکتا ہے؟

گاؤں میں جیسے کوئی عذاب آن پڑا تھا۔ ابراہیم چوہدری کی موت سب کے لئے حیرت و دکھ کا باعث بنی تھی۔ اِس گاؤں میں انسان اور درندے ایک ساتھ پلتے تھے۔

وہ درندوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے اور انسان اُن کا غم منا رہے تھے۔

ابراہیم چوہدری کی بیوی فاریہ خاتون روتے روتے بے حال ھو رھی تھیں۔اُن کی تینوں بیٹیاں ابھی چھوٹی تھیں۔سفینہ کی عمراٹھارہ برس تھی،شازیہ کی پندرہ برس اورماریہ ابھی صرف بارہ سال کی تھی۔البتہ المان اُن تینوں سے بڑا تھا اُسکی عمر بائیس سال تھی۔

ماریہ کی حالت باقی سب سے مختلف تھی۔وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھی تھی۔وہ صبح سے نہ کسی کو سن رھی تھی نہ ھی بول رھی تھی۔انا کبھی اُسے گلے سے لگاتی، کبھی اُسکے ھاتھ تھامتی اُسے دلاسے دے رھی تھی، مگر وہ سُن ہی رھی۔سب کو لگ رھا تھا جیسے وہ کبھی بولے گی ھی نہیں۔

زندگی بھی کبھی کبھی کتنی بے رحم ھو جاتی ھے نا۔۔۔انسان کو چپ کروا دیتی ھے۔۔۔بالکل چپ۔۔۔!!

صدمہ بہت بڑا تھا۔اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے باپ کو جان سے جاتے دیکھا تھا۔وہ اُس تصویر کو اپنے ذہن سے جھٹکنا چاھتی بھی تو نہ جھٹک پاتی۔

www.novelsclubb.com

فاطمہ خاتون، فاریہ کے پاس بیٹھیں اُنہیں تسلیاں دے رہی تھیں۔المان جنازے کے بعد سے ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

میں کہتی بھی تھی اُنہیں۔۔۔ کہ یوں بے دھڑک باہر کو نہ نکلا کریں۔۔۔ بہت دشمن تاک لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔ مگر وہ۔۔۔وہ سنتے کہاں تھے۔۔۔ کہتے کہ زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔اور میں موت سے نہیں ڈرتا۔" فاریہ خاتون روتے ہوئے بتا رہی تھیں۔اُن کے پاس خاندان کی دوسری خواتین بھی تھیں۔وہ سب ایک کمرے میں جمع تھیں۔

انا، سفینہ، شازیہ اور ماریہ کو لے کر الگ کمرے میں چلی گئی تھی۔اُن کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔انا خود بھی رو رہی تھی مگر اُنہیں تسلی دینا اِس وقت سب سے زیادہ ضروری تھا۔

دیکھو۔۔۔ماریہ بچے، زندگی اللہ کی امانت ھے۔۔۔وہ ھم سب سے اِسے واپس لے کر ھی رھے گا۔۔۔ ھم لوگوں کو جانے سے روک نہیں سکتے، ھمیں اُن کے لئے دعا کرنی چاھیئے۔"

وہ اپنے سامنے بیٹھی اُس بچی سے مخاطب تھی جو اِس وقت گہرے صدمے کے زیرِ اثر تھی۔وہ بہت دیر چُپ رھی۔قریب بیٹھیں شازیہ،اور سفینہ دونوں مسلسل رو رھی تھیں۔وہ اُنہیں بھی تسلیاں دیتی رھی۔

میں نے اُس شخص کو دیکھا تھا آپا۔۔۔"کچھ دیر بعد ماریہ بولی تو آنکھوں میں" کرب تھا۔

کس شخص کو دیکھا؟"انا نے اچھنبے سے اُسے دیکھتے ھوئے پوچھا۔"

میں نے بابا کو گولی لگتے ھوئے دیکھا ھے۔"اِس بار وہ ضبط قائم نہیں رکھ پائی" تھی۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔انا کو لگا جیسے کسی نے اُسکا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ھو۔ماریہ اب کے ہچکیوں سے رو رھی تھی۔انا بھی اپنی آنکھوں میں اُمڈتے

www.novelsclubb.com

سیلاب کو روک نہیں پائی تھی۔اُس نے ماریہ کو گلے سے لگالیا تھا۔جانے وہ کتنی ھی دیر اُسکے ساتھ لگی روتی رھی تھی۔

بہت دیر کے بعد وہ انا سے الگ ھوئی تھی۔

کیا ھوا تھا؟"انا نے اُس سے پوچھنا چاھا مگر اُسکا سانس جیسے اٹک گیا تھا۔اُس نے" گلاس میں پانی بھر کر ماریہ کو دیا پھر اُسکے قریب ھی بیٹھ گئی۔

ماریہ نے اُسے سارا واقعہ سنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ صبح معمول کے مطابق سکول میں تھی۔شازیہ بھی اُسکے ساتھ ھی سکول گئی تھی۔سکول کے باہر ایک ڈھابہ تھا جس کے باہر رکھے لکڑی کے بنچ پر اُسکے بابا بیٹھے تھے۔ماریہ کلاس میں ٹیچر کی عدم موجودگی کے باعث خود ھی بچوں سے سبق سن رھی تھی۔جس جگہ وہ کھڑی تھی وہاں کھڑکی سے وہ جگہ صاف دکھائی دے رھی تھی جہاں اُسکے بابا موجود تھے۔جب اچانک ھی اُس نے سیاہ چادر لئے ھوئے شخص

کواُن کی جانب بڑھتے ھوئے دیکھا۔اُس کے ھاتھ میں بندوق تھی۔وہ تھا حکیم شاہ کا بڑا بیٹا شہیر شاہ۔ماریہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں تھیں۔

وہ اُنہیں آواز دینا چاھتی تھی۔وہ اُنہیں بتانا چاھتی تھی کہ وہاں سے ہٹ جائیں۔مگر آواز جیسے کہیں کھو گئی تھی۔اُسے لگا جیسے کسی نے اُس سے آواز چھین لی ھو۔لیکن آواز دینے کے لئے اب شاید بہت دیر ھو چکی تھی۔وہ اپنی نظروں کے سامنے اپنے محبوب ترین شخص کو گولی لگتے ھوئے دیکھ رھی تھی۔وہ مکروہ شخص گولی چلاتے ھی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

گولی کے ساتھ ھی ماریہ کی چیخ پورے کلاس روم میں گونج کر رہ گئی تھی۔

انا نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔وہ کن الفاظ کا استعمال کرتی کہ جو اِس بچی کے دُکھ کو کم کر سکتے۔۔۔!!

★★★★★★★

رات کی تاریکی پھیلنے کے ساتھ ساتھ دھند بھی بڑھتی جارہی تھی۔وہ قبرستان میں اُن کی قبر کے سامنے بیٹھا تھا۔وہ رو رہا تھا۔وہ یوں تو نہ رویا کرتا تھا۔

موت پاگل کر دیا کرتی ہے،وہ تو پھر بس رو رہا تھا۔

وہ خود کو وہاں سے باہر نہیں لے کر جا پا رہا تھا۔وہ تو خود کو وہاں سے گھسیٹ بھی نہیں پا رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا اُن کے ساتھ ہی اُسے بھی دفن کر دیا گیا ہے۔

اُسی لمحے اُس کے کندھے پر کسی نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔المان نے چہرہ اُٹھا کر اوپر دیکھا۔وہاں اندھیرے میں اُسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

اُٹھو المان۔۔۔۔گھر چلو۔"وہ اسد تھا۔المان جواب نہیں دے پایا۔اسد نے" اُسے کندھوں سے تھام کر اُٹھایا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔المان نے اپنے آنسو صاف کر لئے تھے۔وہ اتنا کمزور نہیں تھا۔وہ اسد بھائی کے سامنے بچوں کی طرح نہیں رو سکتا تھا۔

بھائی بابا کا کیا قصور تھا؟" قبرستان سے نکلتے ھی اُس نے رُک کر اسد سے پوچھا تھا۔

کوئی قصور نہیں تھا اُن کا، یہ دنیا قصور نہیں دیکھتی المان۔۔۔ دنیا بس سزا دینا جانتی ھے، قصور چاھے جس کا بھی ھو۔" اسد نے سنجیدگی سے کہا اور پھر اُسے کندھے سے تھام کر لے گیا۔

گھر پہنچ کر اُس نے صحن میں عالم تایا اور سلطان چچا کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھا تھا۔

اُن دونوں کا خسارہ باقی سب کے خسارے سے مختلف تھا۔ وہ ایسے مرد تھے جنہیں ہر چیز تسلیم کرنا آتی تھی، بغیر روئے، بغیر شور مچائے۔ یونہی تو اُنہیں سنگدل نہیں کہا جاتا تھا۔ سنگدلی کی زندہ مثال تھے وہ دونوں۔

سلطان چچا تو ابراہیم کے قتل پر غصے سے آگ بگولہ ھو رھے تھے، وہ تو حکیم شاہ اور اُسکے خاندان کو قتل کرنے پر تیار تھے مگر جو کچھ اُن کی وجہ سے پہلے ھو چکا تھا اُسکی وجہ سے وہ خاموش رھے۔

المان اُن پر ایک تکلیف دہ نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔

جبکہ اسد اُن دونوں کے ساتھ جا بیٹھا تھا۔

جو کچھ بھی ھوا وہ نہیں ھونا چاھئے تھا۔ لیکن ہم چپ نہیں بیٹھیں" گے۔۔۔ قاتلوں کو اُن کی سزا ضرور ملے گی۔" اسد اُن کے پاس بیٹھتے ھی سنجیدگی سے بولا تھا۔

حکیم شاہ کی ہمت بھی کیسے ھوئی۔۔۔ کس طرح وہ دن کے اُجالے میں سرِعام" میرے بھائی کو قتل کروا سکتا ھے۔" سلطان چوہدری ایک بار پھر غضب کے عالم میں کہہ رھے تھے۔

اِس کا نتیجہ اُسے بھگتا پڑے گا۔۔۔ جانتا نہیں ھے وہ کہ کس سے پنگا لے رھا" ھے۔" وہ ایک بار پھر بولے۔

ھمیں اُسکے خلاف کاروائی کے لئے ایک گواہ چاھئے جو اِس سارے واقعے کو" "حقیقی طور پر بیان کرے۔۔۔ لیکن اُس سے پہلے ایف آئی آر درج کروانی ھوگی۔ عالم چوہدری نے سوچتے ھوئے ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا۔

اور یہ گواہی کون دے گا؟ وہاں اگر کوئی شخص موجود بھی تھا تو وہ شاہ خاندان کے" خلاف گواہی ہر گز نہیں دے گا۔۔۔ لوگ لوگوں کے لئے اپنی جان نہیں گنواتے۔" سلطان کے چہرے پر غصے کے تاثرات ویسے ہی تھے۔

ایک ھی شخص ھے جو گواہی دے سکتا ھے۔۔۔" عالم چوہدری نے ایک بار پھر" سوچتے ھوئے کہا تو سلطان نے اُنہیں سوالیہ نگاھوں سے دیکھا۔

★★★★★★★

ابراہیم چچا کو سرِ عام قتل کر دیا گیا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آرھی تھی کہ وہ کیا کرے۔۔۔ احمد اُس وقت گاڑی میں تھا جب اُسے یہ خبر ملی تھی۔ اور اُسکا ایکسیڈینٹ ھوتے ھوتے بچ گیا تھا۔

وہ تب سے گھر نہیں گیا تھا۔اِس وقت بھی وہ ساحل کنارے بے مقصد کھڑا تھا۔ اِتنی ٹھنڈ میں بھی اُسے اپنے اندر جلن ہوتی ہوئی محسوس ہورھی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں سُرخی اُترتی جارھی تھی۔وہ اُنہیں بچا نہیں پایا تھا۔۔۔وہ وہاں پر نہیں تھا اور یہ بات ھی اُسکے لئے بے حد کرب ناک تھی۔

مجھے وہاں ھونا چاھئے تھا۔۔۔۔"اُس نے سوچا۔اور کرب سے آنکھیں میچ لیں۔" اُسے اپنے اندر لاوا ابلتا ھوا محسوس ھونے لگا تھا۔

احمد تم اِن سب سے مختلف ھو،چوہدری خاندان میں اِس سے پہلے میں نے ایسا" شخص نہیں دیکھا۔تم میں کچھ ھے جو تمہیں تمہارے خاندان سے جدا دِکھنے پر مجبور کرتا ہے۔۔۔جانتے ھو وہ چیز کیا ھے؟تمہاری سوچ۔"اُسے ابراہیم چچا کی باتیں یاد آرھی تھیں۔وہ نہایت نرم اور خوبصورت انسان تھے۔اُنہوں نے کبھی کسی سے لڑائی نہیں کی تھی۔وہ تو کسی سے نہیں اُلجھتے تھے پھر کیوں اُن کے ساتھ ھی ھوا یہ۔

احمد وہیں بیٹھ گیا تھا۔اُسے اپنی آنکھوں میں درد محسوس ھو رھا تھا۔نگاھیں یوں لال تھیں جیسے ابھی خون ٹپک پڑے گا۔

اور کتنے بے گناہوں کو یوں بے موت مرنا پڑے گا؟

اُس لمحے اُس نے خود کو بے بس پایا تھا۔

★★★★★★★

نو سال قبل۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطان چوہدری،ایک کامیاب لیکن بے رحم پولیس آفیسر تھا۔اُس کا قد دراز اور وجیہہ چہرہ بارعب تھا۔سلطان چوہدری،فرقان اور عالم چوہدری سے چھوٹا اور ابراہیم چوہدری سے بڑا تھا۔یہ اُسکے عروج کے دن تھے۔وہ اپنی وردی کا فائدہ اُٹھاتے ھوئے کسی بے گناہ کو بھی سزا دینے سے نہیں کتراتا تھا۔غرض یہ کہ وہ اپنے تینوں بھائیوں سے الگ تھا۔عالم چوہدری اُس سے بہت الگ طبیعت کے مالک تھے۔اُن کی شخصیت میں رعب و دبدبہ اُن کے بھائی جیسا ھی تھا۔کچھ چیزیں انسان

کو وراثت میں ملی ھوتی ھیں اور وراثت میں ملی چیزیں بدلا نہیں کرتی۔ مگر ایسی شخصیت کے ھوتے ھوئے بھی اُنھوں نے کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ وہ ایک آرمی آفیسر تھے۔ وہ سنگدل تھے اور حد درجہ سنگدل تھے۔ مگر وہ ظالم نہیں تھے۔ دوسری طرف ابراھیم چوہدری تینوں بھائیوں سے چھوٹے تھے، وہ نیوی میں ھوا کرتے تھے، وہ خاموش طبع، کسی کے معاملے میں نہ بولنے والے پُر سکون اور خوبصورت شخص تھے۔ گاؤں کی پنچایت کے سرپنچ بھی تھے وہ۔ اور اِسی لئے وہ لوگوں کے مسائل سلجھانے والے ایک اہم شخص بھی تھے۔ تب وہ وقت تھا جب عالم چوہدری الیکشنز کے لئے کھڑے تھے۔ اور اُس سے حکیم شاہ اُن کی مخالف پارٹی کا حصہ تھا۔ اُس کے دادا پردادا سے ھی سیاست کی پیڑھی چلی آرھی تھی۔ اور یہیں سے شروع ھوئی تھی اصل مخالفت!!

اُس روز وہ ایک سفید حویلی میں بیٹھے حقہ سامنے رکھے کش لگا رھے تھے۔وہ پانچ تھے۔عالم چوہدری،اُن کا بڑا بیٹا اسد چوہدری، سلطان چوہدری،اُن کا ایک دوست شاہ ویز جعفری اور اُسکا بیٹا مرتضیٰ جعفری۔

سفید حویلی کا بڑا سا گیٹ کھلا ھوا تھا۔جس کے باہر اچانک ہی شور کی آوازیں اُبھرنے لگی تھیں۔

"یہ باہر شور کس قسم کا ھے؟"عالم چوہدری نے اُس سمت دیکھتے ھوئے کہا۔"

میں دیکھ کر آتا ھوں۔"اسد فوراً ھی بولا۔اُسکی عمر تب سولہ برس تھی۔"

رُکو تم۔۔۔میں جاتا ھوں۔"سلطان چوہدری نے اُسے ھاتھ کے اشارے سے "بیٹھے رھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود ہی اُٹھ کر داخلی دروازے کے قریب پہنچا۔اُسکا قد اُس دروازے سے بھی کہیں اُونچا تھا۔

اسد بھی اُس کے پیچھے آیا تھا۔

وہاں اسد کی عمر کے چند لڑکے بلاوجہ ہی شور کر رھے تھے۔اُن میں سے ایک کے گلے میں ڈھول تھا جسے وہ بجاتا جارھا تھا، باقی لڑکے اُس کے گرد ناچ رھے تھے۔

یہ کیا ھو رھا ھے یہاں پر؟"سلطان چوہدری نے اپنی ازلی گرج دار آواز میں کہا۔"

کیا آپ دیکھ نہیں سکتے؟ہم یہاں پر جشن منا رھے ھیں۔"اُن میں سے ایک نے" کہا اور باقی سب نے اُس کی بات پر ایک ساتھ زوردار قہقہہ لگایا۔سلطان چوہدری کی آنکھوں میں غصہ تھا۔

اگر جشن ہی منانا ھے تو اپنے گھر پر جا کر مناؤ۔۔۔۔یہاں ہماری حویلی کے" دروازے پر آکر کیوں منا رھے ھو۔۔؟"سلطان نے سختی سے کہا۔

اُس لڑکے نے ڈھول بجانا بند کر دیا تھا۔جبکہ ایک لڑکا آگے بڑھ کر سلطان چوہدری کے سامنے آکھڑا ھوا تھا۔وہ اُسے تیکھی نگاھوں سے دیکھ رھا تھا۔

گھر پر جشن منانے کا کیا مزہ؟ مزہ تو تب ہے جب دشمن کے سامنے اپنی جیت کا" جشن منایا جائے۔۔۔یہ الیکشنز تو ہم ہی جیتیں گے، بتادو اپنے بھائی کو۔"اُس لڑکے نے سلطان چوہدری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بدتمیزی سے کہا تھا۔

سلطان چوہدری کی آنکھیں سُرخ ہونے لگی تھیں۔ایک کل کا لڑکا اُسکے مقابل کھڑا اُسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس سے بدتمیزی کر رہا تھا۔وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا یہ؟

اُس لڑکے نے مزید کچھ ایسے الفاظ کہے تھے کہ سلطان چوہدری اپنے آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔زندگی میں پہلی بار کسی نے سلطان چوہدری کے ساتھ ایسے الفاظ میں بات کی تھی۔یہ اُسکی شان کے خلاف تھا۔پیچھے کھڑے اسد کی آنکھیں بھی پھیلی ہوئیں تھیں۔وہ نہیں جانتا تھا کہ سلطان چوہدری اب اُس لڑکے کے ساتھ کیا کرنے والا تھا۔

وہ تو اگر اُسے ایک تھپڑ بھی دے مارتا تو وہ سڑک کے دوسرے کونے پر جا گرتا مگر سلطان چوہدری نے ایسا نہیں کیا۔

اُس نے اگلے ھی لمحے کپڑوں میں اڑسا پستول نکالا اور سامنے کھڑے اکیس بائیس برس کے لڑکے کے ماتھے سے بہت تیزی سے گولی گزری تھی۔ کتنا وقت لگا تھا اِس سب میں؟ شاید ایک منٹ یا اِس سے بھی کم۔ اور وہ لڑکا اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔

وہاں کھڑے دوسرے لڑکے فوراً ہی الگ الگ سمتوں میں بھاگ نکلے تھے۔

اسد کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں۔ دل پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

عالم چوہدری، شاہ ویز جعفری اور اُسکا بیٹا بھی گولی کی آواز پر داخلی دروازے کی طرف بھاگے تھے۔ سب کے چہرے حیرت سے گنگ نظر آرھے تھے۔ اور سلطان چوہدری نے اُس دن حکیم شاہ کے چھوٹے بیٹے سمیر شاہ کو قتل کر دیا تھا۔

انا پرستی اور خود پرستی جب حد سے بڑھنے لگیں تو بھیانک شکل اختیار کر لیتی ھیں۔ اتنی بھیانک کہ ہمارے ارد گرد کے لوگ اور ہمارے قریب ترین رشتے بھی ہم سے دور بھاگنے لگتے ھیں۔

سلطان چوہدری اپنے بھائیوں میں سے خوفناک شخص واقع ھوا تھا۔

حکیم شاہ کو جب اپنے بیٹے کی موت کی خبر ملی تو اُس کا غصہ آسمان کو چھُو رھا تھا۔ دکھ اور غصہ جب ایک ساتھ انسان پر حاوی ھو جاتے ھیں تو انسان پاگل پن میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ھے۔

حکیم شاہ نے چوہدری خاندان کے خلاف ایف آئی آر درج کروانے میں ذرا بھی دیر نہیں کی تھی۔ اُس نے سلطان چوہدری کے ساتھ ساتھ اُسکے بھائیوں اور اُن کے بیٹوں پر بھی ایف آئی آر درج کروائی تھی۔

چوہدری خاندان کے لئے یہ سارا واقعہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔

پولیس نے اُنہیں گھیر لیا تھا۔اور سلطان چوہدری کو جیل جانا پڑا تھا۔یہ انکوائری کئی سال تک چلتی رھی تھی کیونکہ جلد ہی اُن کی ضمانت ھو گئی تھی۔ مگر حکیم شاہ نے اُنہیں آزاد گھومنے نہیں دیا تھا۔اُنہیں فرار ھونا پڑا تھا۔اور اگلے کئی سالوں میں جتنی مشکلات چوہدری خاندان کو اُٹھانی پڑی تھیں وہ شاید اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں اُٹھائیں تھیں۔

اور پھر چھ سال بعد اُن کی باہم کورٹ میں صلح ھو گئی تھی۔اگلے تین سال ھونے کو آئے تھے اور آج اچانک ھی اُنہیں یہ خبر ملی تھی کہ حکیم شاہ کے بڑے بیٹے نے چوہدریوں سے اُن کے کئے کا بدلہ لے لیا ھے۔

www.novelsclubb.com

★★★★★★★

ہماری زندگی ہماری اپنی نہیں ھوتی۔اور ہم اِسی بات پر ناخوش رھتے ھیں کہ ھم" سے زندگی چھین لی گئی ھے۔در حقیقت ہم سے زندگی چھینی نہیں جاتی اُسے واپس لیا جاتا ھے۔اور جو چیز اُدھار کی ھو اُسے واپس دینا ہی پڑتا ھے۔"ٹھنڈی رات کے

دوسرے پہر وہ چھت پر بے مقصد ہی کھڑا تھا۔گلابی پڑتی آنکھیں اندھیرے کے باعث نظر نہیں آتی تھیں۔وہ بھی اُسکے برابر میں قریب ہی کھڑی ٹھنڈے لہجے میں بول رہی تھی۔

"سفینہ اور شازیہ کمرے کے ایک کونے میں لگی رو رہی ھیں۔ماریہ کو بہت مشکل سے بستر میں لٹا کر آئی ھوں، مگر وہ بھی یقیناً بستر میں منہ دیے رو رہی ھو گی۔باپ کے دور جانے کا احساس مجھ سے بہتر کون جانے گا الماں؟تم بڑے ھو، تمہیں چاھئے کہ اپنی بہنوں کو تسلی دو،اُن کے سر پر ھاتھ رکھو اور کہو کہ تم اُن کے ساتھ ھو۔اگر چچا تمہارے ساتھ نہیں ھیں تو خود کو باقیوں سے دور مت کرو۔۔۔جو میسر ھیں اُن کی قدر کرو اور اُنہیں کھونے سے ڈرو۔"

اُسکی آواز میں نمی گُھل گئی تھی۔انا کو بہت دیر تک رونے کی وجہ سے اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ابراہیم چچا جیسے شخص کا اُن کی زندگیوں سے چلے جانا ایک بہت بڑا نقصان تھا۔

الماں خاموش تھا،خاموش ہی رہا۔

"چپ مت رہو الماں۔۔۔جاؤ اور جاکر بات کرو اپنی بہنوں سے، تسلی دو اپنی ماں کو کہ ابھی وہ تنہا نہیں ہوئیں۔اِس گھر کے مرد ہو تم اور تم عورتوں کی طرح کمزور نہیں پڑ سکتے۔عورت ہونا آسان نہیں ہوتا الماں، مرد کی تسلی کے بغیر کوئی بھی ،عورت چاہے کتنی بھی مضبوط کیوں نہ ہو، بکھر جاتی ہے۔۔۔اور وہ مرد، باپ بھائی، شوہر یا بیٹا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔یہاں کھڑے رہنے سے وہ واپس نہیں آئیں گے، تمہیں مضبوطی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔۔۔" انا کے چہرے پر اذیت تھی۔وہ ابھی مزید بول رہی تھی مگر الماں ایک جھٹکے سے مڑا اور پھر تیزی سے قدم اُٹھاتا نیچے چلا گیا۔

انا نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔اندھیرے میں نظر آتا اُسکے وجود کا عکس دُھندلا پڑ گیا تھا۔

وہ ضبط کھو کر رونے لگی تھی۔روتے روتے وہ وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔کوئی پرانا درد تھا جو دسمبر کی برف برساتی رات میں تازہ ہونے لگا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے سینے میں تیروں کی برسات ہو رہی ہو۔انا نے خود کو اُس لمحے کمزور پایا تھا۔۔۔۔بے حد کمزور۔

وہ گھٹنوں میں منہ دیے رونے والی لڑکی نہ تھی۔مگر وہ گھٹنوں میں منہ دیے رو رہی تھی۔

کہنے کو وہ انا تھی۔۔۔۔انا زادی۔۔۔۔مشکلات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے والی مضبوط لڑکی۔اُس نے خود کو خود تعمیر کیا تھا۔

وہ خود کو ایک لمحے میں جتنا مضبوط محسوس کرتی اگلے ہی لمحے خود کو اُتنا ہی کمزور محسوس کرتی تھی۔

وہ لوگوں کے سامنے سخت گیر۔۔۔اور اپنے آپ میں ایک حساس لڑکی تھی۔۔۔وہ تھی انا زادی!

★★★★★★★★

ڈپریشن،اینزائیٹی،اور دوسری دماغی بیماریوں کا علاج محض دس منٹ کے وقت" میں!!

ٹی وی پر نشر ہوتی خبروں کو غائب دماغی میں دیکھتی وہ عجیب سی کیفیت کا شکار لگتی تھی۔

وہاں بار بار ایک ہی خبر دکھائی جارہی تھی جس کا موضوع ڈپریشن اور باقی دماغی امراض کا علاج تھا۔

سفیرہ تم کچھ سن بھی رہی ہو یا نہیں؟"قریب ہی دوسرے صوفے پر بیٹھی اُسکی" ماں نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ھوں۔۔۔؟"وہ جیسے ہوش میں آکر اُنہیں دیکھنے لگی۔"

میں نے کہا کہ کیا تم سن رھی ھو جو یہ بتا رھے ھیں؟ اِن سے رابطہ کر کے تم بہتر ھو سکتی ھو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رھی تھیں۔

"امی میں پاگل نہیں ھوں۔۔۔ میں بھی آپ کی طرح ھی ایک نارمل انسان ھوں، اور نارمل زندگی گزارنا چاھتی ھوں، آپ لوگ کیوں میری زندگی مشکل بنانے پر تُلے ھوئے ھیں؟ مجھے کسی اسکول یا کالج میں نوکری کرنی ھے۔" اور بولتے بولتے اُس نے اچانک ھی اُنہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔

"تم نوکری کرنا چاھتی ھو؟ کسی اسکول یا کالج میں؟" اُن کا لہجہ حیران کن تھا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُسی لمحے مہیرہ اُسکے عقب سے نمودار ھوئی تھی۔

"سن رھی ھو تم اپنی بہن کی بات۔۔۔؟ اُنہوں نے مہیرہ کو دیکھتے ھوئے کہا۔ اُسکی آنکھوں میں ناسمجھی اُبھری۔

محترمہ کہہ رھی ھیں کہ کسی اسکول یا کالج میں نوکری کرنا چاھتی ھیں۔اِسے "
سمجھاؤ کہ باپ اجازت نہیں دے گا نوکری کی۔اور اگر نوکری ھی کرنا چاھتی ھے تو
اُن کے آفس میں کر لے۔" مدیحہ بیگم نے دو ٹوک لہجے میں کہا تو مہیرہ کے چہرے
پر تھکن کے آثار نمودار ھوئے۔

جبکہ سفیرہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

کب آپ اپنے شوہر کے ہر جائز،ناجائز کام میں اُن کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے "
بارے میں سوچیں گی امی؟ یا پھر یہ بھی ایک خواہش ہی رہ جائے گی کہ ہماری ماں
ھمارے حق میں ایک ھی سہی مگر کوئی جملہ تو بولتی۔" اُسکا انداز طنزیہ تھا۔مدیحہ
بیگم کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔

تم بہت تلخ ھو گئی ھو سفیرہ۔۔۔" وہ بے یقینی میں بولیں۔"

"آپ نے مجبور کیا ھے۔"

تم کیسے اپنی ماں کے ساتھ ایسے الفاظ میں بات کرسکتی ھو؟" مدیحہ بیگم کی آنکھیں "
نم ھوئیں۔

میں نے غلط الفاظ تو استعمال نہیں کئے، بس سچ کہا ھے۔" وہ سپاٹ تاثرات لئے "
بولی۔

تم مجھ سے نفرت کرتی ھو؟" اُن کا لہجہ ویسا ھی تھا۔ "

کبھی اِس بارے میں سوچا ھی نہیں کہ آپ سے نفرت کرنی چاھئے یا نہیں۔" اُسکا "
چہرہ بے تاثر رھا۔ وہ اُن کی آنکھوں میں دیکھ رھی تھی۔

مدیحہ بیگم نم آنکھیں لئے وہاں سے اُٹھ کر چلی گئیں۔

اُن کے جانے کے بعد مہیرہ اُسکے پاس آ بیٹھی تھی۔

تمہیں اُنہیں یہ سب نہیں کہنا چاھیئے تھا۔ وہ ماں ھیں ہماری، اُنہوں نے کچھ غلط "
"نہیں کیا اگر اُنہوں نے اپنے شوہر کی بات سنی تو۔

ماہی نے اُسے نرم لہجے میں سمجھانا چاہا۔

اُنہیں احساس تو ہو کہ اُن کی اولاد کیا سوچتی ہے اُن کے بارے میں۔" وہ بے رحمی سے بولی۔

مہیرہ نے اُسے تاسف سے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ انسان جب تھک جاتا ہے تو وہ ایسے ہی ہر کسی کا دل بے دردی سے توڑ دیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ انسان ہوتا ہے اور انسان کبھی بھی فرشتہ نہیں ہو سکتا۔

★★★★★★★★

ایک ہفتے بعد۔۔۔۔

اُسکے کانوں میں ابھی بھی رونے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پچھلے کچھ دنوں سے انا جتنا روئی تھی اور جتنی آوازیں اُس نے رونے کی سنی تھیں وہ خود کو ذرا بھی نارمل محسوس نہیں کر رہی تھی۔

سلطان چچا نے حکیم شاہ کے بیٹے کے خلاف ایف آئی آر درج کروادی تھی۔اور پولیس اُسے گرفتار کر کے لے جاچکی تھی۔وہ اُس کے خلاف پوری کاروائی کر رھے تھے۔سلطان چوہدری ابھی بھی ایک پولیس آفیسر ھی تھے۔وہ پچھلے تین سالوں سے اپنی فیملی کے ساتھ لاہور منتقل ھو چکے تھے۔

فاریہ چچی اور اُن کے گھر والے اب ایک دوسرے کے آسرے پر ھی زندہ تھے۔

الماان پچھلے ایک ہفتے سے بہت خاموش ھو گیا تھا۔وہ بڑوں کی ہر بات چپ چاپ مان لیتا تھا۔مگر ایک آگ تھی جو اُسکی آنکھوں میں نظر آتی تھی۔دل میں موجود انتقام کی آگ اُسکی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔

انا اور فاطمہ خاتون ابھی گاؤں میں ھی تھیں۔وہ اتنی جلدی واپس نہیں جانے والی تھیں۔

اُس دن وہ بہت دیر کے بعد گھر آیا تھا۔شام ھو رھی تھی اور وہ آتے ھی چھت پر چلا گیا تھا۔انا ابھی ماریہ کو سُلا کر ہی باہر نکلی تھی جب اُس نے المان کو چھت پر جاتے دیکھا۔وہ بھی اُسکے پیچھے گئ تھی۔

تم ٹھیک ھو؟"اُسکے پیچھے کھڑی وہ بولی تھی۔"

مجھے تم سے بات نہیں کرنی ھے۔"وہ بغیر پلٹے بیزاری سے کہہ رھا تھا۔"

میں بس تم سے حال پوچھ رھی ھوں الماں؟"وہ قدرے حیرت سے مخاطب" ھوئی تھی۔

میں تمھیں اپنا حال نہیں بتانا چاھتا۔"وہ اُسی لہجے میں بولا۔"

انا اُسکے برابر میں آ کھڑی ھوئی تھی۔اُس نے الماں کا چہرہ دیکھنا چاھا۔اندھیرا ابھی گہرا نہیں تھا۔وہ اُس کے اکتاہٹ بھرے چہرے کو دیکھ سکتی تھی

میں جانتی ھوں تم دُکھی ھو۔۔۔ لیکن میں۔۔۔۔" وہ ابھی کچھ کہنا چاہ رھی تھی" مگر المان نے ایک سخت نگاہ اُسکی طرف پھیر کر اُسکی بات کاٹ دی۔

تو پھر کیا میرے دُکھ کا تماشہ بنانے آئی ھو یہاں؟ تم تو خوش ھوئی ھو گی کہ تمہاری" دعائیں قبول ھو گئیں۔ تم ہمیشہ مجھے ایسے ھی دیکھنا چاھتی تھی نا؟ تکلیف میں؟ شوق پورا ہو گیا تمہارا، اب مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اُسکا لہجہ تلخی سے بھرپور تھا۔ انا اُسے یک ٹک دیکھے گئی۔

میں نے کبھی ایسا نہیں چاھا۔" وہ بولی تو آواز ہلکی تھی۔ وہ سر نفی میں ہلاتا دوسری" طرف دیکھنے لگا۔

کیا تمہیں لگتا ھے کہ میں تمہیں تکلیف میں دیکھ کر خوش ھوں؟ تم نے کبھی بھی" میری عزت نہیں کی، ہمیشہ میرے ساتھ لڑتے رھتے تھے مگر اِس کا یہ مطلب "نہیں ھے کہ میں اتنا بُرا سوچوں گی تمہارے بارے میں۔

میں عزت نہیں کرتا تمہاری؟" وہ استہزائیہ ہنسا۔"

اور یہ خیال تم اپنے ذہن سے نکال دو کہ میں تمہارے ساتھ ویسا رویہ رکھوں گا" جیسا میں احمد بھائی یا اسد بھائی کے ساتھ رکھتا ھوں۔ مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں ھے اور نہ ھی مجھے تمہاری عزت کرنے کا کوئی شوق ھے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ انا کو اُسکی باتیں بچکانہ لگ رھی تھیں۔ اُسے لگا جیسے وہ ہوش میں نہیں ھے۔

میں نے تم سے عزت کی مانگ بھی نہیں کی لیکن اگر تم میری عزت نہیں کرتے " "تو احمد بھائی کے آگے پیچھے کیوں پِھرتے رہتے ھو؟ اُن کی عزت کیوں کرتے ھو؟ وہ بھی تنک کر بولی تھی۔

www.novelsclubb.com

احمد بھائی میرے بھائی ھیں، مجھ سے بڑے ھیں اور میں اُن کی عزت کرتا" ھوں۔۔۔ ویسے بھی اُن کے لئے میرے دل میں احترام ھے۔" وہ جانے کیا باور کروا رہا تھا۔

اور میں بھی اُنہی احمد بھائی کی بہن ہوں تو میرا احترام بھی تم پر لازم ہے۔" وہ اُسی سنجیدگی سے بولی۔ وہ یوں اپنے آپ کو بے عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی

تم اُن کی بہن نہیں ہوانا۔۔۔ تم اُن کی بہن کبھی تھی ہی نہیں۔" اور اگلے ہی لمحے انا کی آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا۔ وہ بے دم سی ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔ شاید اتنی تکلیف اُسے کسی جملے پر نہیں ہوتی تھی جتنی اِن الفاظ سے ہوئی تھی۔ جتنی تکلیف اِس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہوئی تھی۔ وہ دیکھ چکا تھا، اُس کی آنکھوں میں بیتے دِنوں کے زخم تھے۔ مگر وہ کیوں اتنا بے حس ہو گیا تھا۔۔۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔۔۔ جاننا چاھتا بھی نہیں تھا۔

www.novelsclubb.com

تم نہیں ہو اُن کی بہن اور یہی وجہ ہے کہ میں تمہارا احترام نہیں کرتا۔" اُس نے انا کو دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور ڈال کر کہا تھا۔ مگر اُسے لگا تھا کہ وہ تو جیسے ابھی ڈھے جائے گی۔ اُسے محسوس ہوا تھا جیسے اُسکا سانس بند ہو چکا ہو۔ وار جب دل پر ہوتا ہے تو کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک گہری نظر اُسکے ساکت وجود پر ڈال

کر نیچے چلا گیا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک لڑکی کی ذات کو بکھیر کر جا چکا تھا۔اُسے کیا خبر تھی کہ اُسکے ایک جملے کا کتنا گہرا اثر ہونے والا تھا اُس لڑکی پر۔

کیوں المان؟ کیوں تم مجھے میری زندگی نہیں جینے دیتے؟ آنکھوں نے آنسوؤں کو بہنے کی اجازت دی تھی۔وہ مزید دل پر اِن کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

کیا تھا اُن الفاظ میں جو وہ اُسے کہہ کر گیا تھا؟ کیا تھا اُن الفاظ میں جو اُسے آگ کی گرمائش سے بھی زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوئے تھے۔

تم اُن کی بہن نہیں ھوانا۔۔۔۔تم اُن کی بہن کبھی تھی ھی نہیں۔"وہ بار بار یہی" الفاظ اپنے ارد گرد سن رہی تھی۔اُسے لگا جیسے اُسکا دماغ ماؤف ھو جائے گا۔وہ الفاظ اُسکے دل پر برچھی کی مانند لگ رہے تھے۔تکلیف،اذیت،درد بہت ادنیٰ لگنے لگے تھے یہ الفاظ اُس کیفیت کے سامنے جس کے زیرِ اثر اِس وقت وہ خود کو محسوس کر رہی تھی۔اُس نے اُس لمحے واقعی مر جانا چاہا تھا۔

★★★★

ساتویں قسط:

بہت دیر تک وہ اِس کیفیت کا شکار رھی تھی کہ جیسے زندگی ختم ھونے والی ھو۔۔۔یوں جیسے جسم سے جان کھینچ لی جاتی ھے۔سانس لینے میں دشواری ہونے لگی تھی۔نگاھوں کے سامنے بہت سے منظر تھے جو دھندلانے لگے تھے۔وہ اُن میں سے کسی منظر کو بھی یاد نہیں کرنا چاھتی تھی۔وہ خود کو ختم کرلینا چاھتی تھی مگر وہ اِس بات کو تسلیم نہیں کرنا چاھتی تھی کہ احمد اُسکا بھائی نہیں تھا۔کہ جس شخص کی وجہ سے اور جس شخص کے لئے وہ اِس جگہ پر موجود تھی وہی اُسکا بھائی نہیں تھا۔

آخر کیا ملتا ھے لوگوں کو کسی کے زخم اُدھیڑ کر؟

اُس کے ذہن کے پردوں پر بے اختیار ہی کئی تصویریں لہرائی تھیں۔کئی قہقھے، کئی رونقیں، کئی تکلیفیں۔

ضبط قائم رکھنے کی ناکام کوشش کر رھی تھی وہ۔اُسکی ہچکی بندھ گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

بیتے ہوئے ایام کسی آسیب کی طرح انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ اگر ہم کبھی کسی پل اُنہیں بھول بھی جائیں تو لوگ نہیں بھولتے۔۔۔ کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جو ہمیں وہ سب بھولنے نہیں دیتا۔ اور پھر ہم چاہ کر بھی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔
دس سال قبل اُسکی زندگی بدلی تھی۔ اُس کی زندگی کے پہلے بارہ سال اگلے دس سالوں سے بہت مختلف تھے۔ وہ اُن تلخیوں کو خود پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔۔۔۔ مگر!!

دس سال قبل۔۔۔۔

یہ وہ دن تھا جب اُسکی اسکول میں سپیچ تھی۔ وہ بہت زیادہ نروس نہیں تھی۔ اُس نے کبھی نروس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔

"اور اب میں اسٹیج پر دعوت دینا چاہتی ہوں، 'مس انا کبیر ساحر' کو۔" تیکھے نقوش والی ہوسٹ کافی پُرجوش انداز میں بولی تھی۔

انا کبیر کا دل اپنے نام پر بے اختیار تیزی سے دھڑکا تھا۔ وہ سب سے پہلی نشست پر بیٹھی تھی، اُس کی عمر تقریباً بارہ برس ھو گی، اُسکے ساتھ اور بھی بچے بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رھے تھے۔

ہوسٹ کے مخاطب کرنے پر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور اسٹیج تک قدم بڑھاتے ھوئے وہ محض ہلکی سی بے چین ھوئی تھی۔ ہال میں بھرپور تالیاں گونج رھیں تھیں۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ھوئی مائیک تک پہنچی تھی۔ اُس نے دیکھا، اُس کے سامنے لوگوں کا ایک مجمع تھا۔

آج اُن کے اسکول میں ایگزیبیشن کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں ایک ایسا سیشن بھی رکھا گیا تھا کہ ھر کوئی اپنے کچھ قیمتی خیالات وہاں اُن لوگوں کے سامنے ظاھر کر سکتا تھا۔ 'انا کبیر' بھی اُسی سیشن کا حصہ تھی۔ اُس کے سامنے شہر کی بڑی بڑی شخصیات بھی بیٹھی تھیں۔ بچوں سے لے کر ادھیڑ عمر تک کے لوگ اُس تقریب کا حصہ تھے۔

کچھ رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد اُس نے ایک بار پھر اپنا تعارف کروایا تھا۔

"میں ھوں میجر ریٹائرڈ جنرل کبیر ساحر کی بیٹی انا کبیر۔" چونکہ وہ بھی اُس تقریب کا حصہ تھے تو اپنے باپ کا نام فخریہ انداز میں لیتے ھوئے اُسکی نگاھیں اُنہی پر جمی تھیں۔

"آجکی گفتگو کا موضوع چونکہ 'پہچان' سے متعلق ھے تو میں آپ کو اِس بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کرنا چاھتی ھوں۔ میرا ماننا ھے کہ ھماری سب سے پہلی پہچان ھمارا سر نیم ھوتا ھے۔ بالکل ایسے ھی جیسے میں نے اپنی پہچان کو خاص بنانے کے لئے اپنے بابا کا نام لیا۔ آپ میں سے وہ لوگ جو مجھے پہلے نہیں جانتے تھے وہ اب جان گئے ھوں گے۔" وہ خود کو اچانک ھی بہت زیادہ پُر اعتماد لگنے لگی تھی۔ یہ اُسکے منتخب کردہ موضوع کی وجہ سے تھا یا اُس کے بابا کی وھاں موجودگی کے باعث وہ اندازہ نہیں لگا سکی۔

"آپ کی پہچان آپ کے خاندان سے ھوتی ھے، خاندان کے چھوٹا یا بڑا ھونے سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق پڑتا ھے کہ آپ کا خاندان ھے کون؟ ھمارے ماں باپ ھی ھمارا خاندان ھوتے ھیں۔ وہ امیر ھوں یا غریب، معاشرے میں اُن کا نام ھو یا نہ ھو، وہی ھماری پہچان ھوتے ھیں۔ کچھ لوگ ھوتے ھیں جو احساسِ کمتری کے باعث اپنی پہچان لوگوں سے چھپانے لگتے ھیں۔ آپ کا بیک گراؤنڈ کیا ھے؟ لوگ آپ کو جاننے سے پہلے آپ کے بیک گراؤنڈ کو جاننے میں دلچسپی رکھتے ھیں، ایسا کیوں ھے؟ انسان کو پرکھنے کے لئے لوگ آخر اُسکے خاندان کو جاننا کیوں ضروری سمجھتے ھیں؟ یہ بھی تو ھو سکتا ھے کہ جس شخص کو ھم اُس کے خاندان کی بنیاد پر جج کر رھے ھوتے ھیں وہ اِسکے بالکل ھی برعکس ھو۔ پھر کیوں اُسکا بیک گراؤنڈ ھمارے لئے اِتنی اھمیت رکھتا ھے؟ حالانکہ ھر انسان کی فطرت الگ ھے، خیالات منفرد ھیں، سوچ الگ ھے۔ پھر فیملی بیک گراؤنڈ، باپ دادا، حسب نسب یہ سب چیزیں اتنی اھمیت کی حامل کیوں ھیں؟ اِس لئے کہ یہ ھماری روایات کا حصہ

ھیں۔اور پھر وراثت کا بہت گہرا اثر پڑتا ھے انسان پر، جو چیزیں ھمیں وراثت میں ملتی ھیں وہ ھماری شخصیت کا خاصا بن جاتی ھیں۔ پھر اگر انسان اپنی الگ سے پہچان بنانا چاھے تو بھی اُنہی چیزوں کو مدِ نظر رکھتے ھوئے بناتا ھے۔" وہ لحظہ بھر کو رُکی۔ پھر بولی۔

"میں نہیں جانتی کہ آگے کیا ھونے والا ھے، جوں جوں انسان عمر میں بڑھتا ھے تو اُسکے خیالات بھی بدلتے رھتے ھیں۔ لیکن وہ پہچان جو ھمیں پیدا ھونے کے ساتھ ملی ھوتی ھے، جو نام ھمارے نام کے ساتھ جُڑا ھوتا ھے، اُسکی حفاظت کرنا ھمارا ذمہ ھوتا ھے، اُسکے تقدس کو قائم رکھنا ھمارا فرض ھے، میں اِس وقت اپنی عمر کے جس حصے میں ھوں، میں یہی سوچتی ھوں کہ اگر کسی دن ایسا ھو گیا کہ میرے بابا کی پہچان مجھ سے الگ ھو گئی تو میں شاید جی نہیں پاؤں گی۔ لیکن ایسا ھو گا نہیں، جب ھم مر جاتے ھیں تو ھماری قبروں پر بھی ھمارے نام کے ساتھ اُن کا ھی نام ھوتا ھے، وہ جنہوں نے ھمارے پیدا ھونے پر ھمیں اپنا نام دیا تھا، میرا نہیں خیال کہ

www.novelsclubb.com

اِس پہچان کی تعریف کے لئے اب مجھے مزید کسی دلیل کی ضرورت
ھے۔۔۔۔ شکریہ!"

اُس نے اپنی بات مکمل کی تھی، ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا اور وہ مسکراتی
ھوئی اسٹیج سے نیچے اُتر گئی۔اُس نے دل ھی دل میں اپنی ماں کا بھی شکریہ ادا کیا تھا
جنہوں نے یہ تحریر لکھنے میں اُس کی مدد کی تھی۔اور وہ اُسے تمام لوگوں سے ریلیٹ
کر کے وہاں بیان کر پائی تھی۔

ایگزیبیشن ختم ھونے کے بعد وہ گاڑی میں کبیر ساحر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی
تھی، جب اُنھوں نے اُسے کہا تھا۔

"آج تو کمال ھی کر دیا تم نے____ مجھے فخر ھے تم پر اناکہ تم میری بیٹی ھو۔"اور
اُس کے لئے اُن کے یہ الفاظ ھر چیز سے قیمتی تھے۔

www.novelsclubb.com

تعلقات تب ھی بہتر ھو سکتے ھیں جب محبت دونوں طرف ھو، یک طرفہ محبت ایک آزمائش کی طرح ھوتی ھے، پھر چاھے وہ محبت والدین سے ھو، اولاد سے ھو، بہن بھائیوں سے ھو، یا ھمسفر سے۔

★★★

گھر پہنچ کر وہ شیری کے سامنے بیٹھی تھی۔ شہریار اُسکے تایا کا بیٹا تھا۔اُس گھر میں انا کی فیملی کے ساتھ اُسکے تایا کی فیملی بھی رھتی تھی۔

انا اپنے ماں باپ اور اکلوتے بھائی کے ساتھ اوپر والے پورشن میں رھتی تھی۔

جبکہ تایا اپنی بیوی اور دو بیٹوں شہریار اور مہربان کے ساتھ نیچے والے پورشن میں رھتے تھے۔

"شیری تمہیں پہلے ہی بتا رھی ھوں، چیٹنگ (دھوکہ) نہیں کرنا۔" وہ دونوں کیرم بورڈ کھیلنے کے لئے آمنے سامنے بیٹھے تھے جب انا نے اُسے تنبیہہ کی۔

"شیری انا کے ساتھ کبھی بھی چیٹنگ نہیں کرتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ دونوں ہم عمر تھے۔ انہوں نے کھیلنا شروع کیا۔ شیری جیت رہا تھا اور انا کے چہرے پر مایوسی چھائی تھی۔ اِس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ شیری اُس سے بہتر کھیلتا تھا۔ شیری کی نظر جب انا کے چہرے پر پڑی تو اُسکے دل کو کچھ ھوا تھا۔

وہ اُسے یوں مایوس کر کے اپنی خوشی کبھی بھی کھل کر نہیں منا سکتا تھا۔ اِسی لئے آخر میں اُس نے انا کو ہی جتا دیا تھا۔ وہ خوش تھی۔ یوں جیسے اُسے یقین ہی نہ آیا ھو کہ وہ جیت گئی ھے۔ اور شیری۔۔۔ وہ بھی تو خوش تھا۔

"دیکھا شیری۔۔۔ اب مجھے بھی کھیلنا آ گیا ھے، اب میں ہر بار تم سے نہیں ہاروں گی۔" وہ آنکھوں میں چمک لئے بولی تھی۔

"ھاں۔۔۔ اب میں ہار جایا کروں گا۔" وہ بھی اُسے دیکھ کر مسکرایا۔

"تمہیں پتا ھے آج میں نے اسپیچ کی تھی اسکول میں۔" وہ اُسے چہکتے ھوئے بتانے لگی۔ اُس نے متاثر کن انداز میں سر کو خم دیا۔

www.novelsclubb.com

"اچھا۔۔۔۔پھر؟"

"بہت مزہ آیا۔۔۔بہت اچھی اسپیچ ہوئی تھی۔"اُس نے پھر بتایا تو وہ اُسے مبارکباد دینے لگا۔

وہ اپنی چھوٹی چھوٹی بات بھی شہر یار کو بتایا کرتی تھی،اِس لئے کہ وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے۔

"شہریار۔۔۔؟"اُسی لمحے کسی نے شیری کو آواز دی تھی۔اُس نے آواز کے تعاقب میں دیکھا۔وہ اُسکا بڑا بھائی مہربان تھا جو اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"جی بھائی؟"

"کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو،ہر وقت بس کھیل کود میں ہی لگے رہتے ہو۔"وہ جیسے اُس پر برس ہی پڑا تھا۔



NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

شیری کے چہرے پر تناؤ اُبھرا۔اُس نے انا کو دیکھا۔وہ بھی سنجیدگی سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اب اِس طرح کیا آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہے ھو۔۔۔ماما بلا رہی ھیں تمہیں، اُٹھو یہاں سے۔"مہربان کے لہجے میں نفرت تھی۔وہ غصے سے اُٹھا اور پیر پٹختا ھوا کمرے میں چلا گیا۔

اُسکے جانے کے بعد مہربان انا کی طرف آیا۔

"میرے بھائی کی جان چھوڑ دو، وہ تمہارا دوست نہیں ھے اور اپنے کام سے کام رکھا کرو تم۔"وہ غصے سے اُسے گھورتے ھوئے بولا۔وہ محض اُس سے دو یا تین سال ہی بڑا تھا۔

"ہم دونوں دوست ھیں اور دوست ہی رھیں گے۔"اُس نے بھی اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ھوئے کہا اور پھر اُسکے جواب دینے سے پہلے ہی تیزی سے اُٹھی اور چھت پر چلی گئی۔

اُس کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی۔وہ سب یونہی اُس کے ساتھ اُکھڑا اُکھڑا رویہ رکھتے تھے۔شہریار کے علاوہ اُسے کوئی بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ھاں تایا نے ایک دو بار اپنا انجانا سا پیار ضرور جتایا تھا مگر زیادہ تر تو وہ بھی اپنے مزاج میں ہی رہتے تھے۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اُنہیں اُن کی محبت چاہئے بھی نہیں تھی۔وہ جن لوگوں سے محبت کرتی تھی وہ اُنہی کے ساتھ خوش رہ سکتی تھی۔اور اُن لوگوں میں اُسکے ماں، باپ اور بھائی کے علاوہ شہریار بھی تھا۔

وہ غصے سے صوفے پر منہ پُھلائے بیٹھی تھی۔سامنے رکھی الماری کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا بیٹے؟"اُسے یوں بیٹھے دیکھ کر حنا بیگم نے پوچھا۔

"امی تایا لوگ ہم سے پیار نہیں کرتے۔"وہ رونی صورت بنائے اُنہیں دیکھ کر بولی۔

"کیا ہو گیا انا۔۔۔ایسی باتیں کیوں کر رھی ھو؟"وہ اُسکے پاس بیٹھ گئیں۔

"میں شیری کے ساتھ کھیل رہی تھی اور آج پھر سے مہربان بھائی نے مجھے ڈانٹ دیا۔وہ کہتے ھیں کہ شیری میرا دوست نہیں ھے اور میں اُسکے ساتھ نہ کھیلا کروں۔" یہ بتاتے ھوئے اُسے مہربان پر مزید غصہ آیا تھا۔

"اتنی چھوٹی سی بات پر اِتنا غصہ نہیں کرتے بیٹے۔۔۔مہربان بھی تمہاری طرح بچہ ھے،اُسے نہیں معلوم کہ کیا کہنا ھے اُسکی باتوں کو دل پر نہ لیا کرو اور گلِہ تو تم تب کرو جب تمہارے تایا تم سے کچھ کہیں یا پھر تائی۔۔۔لیکن وہ دونوں تو تم سے بہت پیار کرتے ھیں،اور پھر شہریار بھی تو ھے،ہمیشہ تمہارے ساتھ کھیلتا ھے جب بھی تم کہو۔"اُنہوں نے اُسے تسلی دیتے ھوئے سمجھایا تھا اور جلد ہی اُس کا غصہ کم ھو گیا تھا۔

★★★

رات ہو چکی تھی اور وہ کبیر ساحر کے ساتھ چھت پر اُفق تلے چارپائی پر لیٹی تھی۔

اُن کے ساتھ ننھا خضر بھی تھا جس کی عمر ابھی صرف پانچ سال تھی۔



NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اُن کے ایک طرف انا تھی اور دوسری طرف خضر۔

"بابا۔۔۔"انا نے اُنہیں مخاطب کیا۔

"جی"

"بابا۔۔۔تارے گنیں؟"معصومیت سے فرمائش کی گئی تھی۔وہ بے اختیار ہی مسکرائے۔

"چلو گنتے ھیں،پہلے تم گنو پھر اُس کے بعد ہم گنیں گے،کیوں خضر؟اور پھر جس نے زیادہ ستارے گنے وہ جیت جائے گا۔"وہ گیم کے اصول بتانے لگے۔

"جی بابا۔"خضر معصومیت سے بولا تھا۔

"بابا وہ دیکھیں۔۔۔وہ ستارہ سب سے زیادہ چمکدار ھے۔"وہ پُر جوش سی بتا رھی تھی۔

"بالکل میری انا کی طرح۔"اُنہوں نے اُسکے گال پر پیار کیا۔خضر مزاحمت میں آگے بڑھا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے بھی پیار کریں۔اُنہوں نے مسکراتے ہوئے خضر کے چہرے پر بوسہ دیا تھا۔وہ خوشی سے کِھلکھلانے لگا تھا۔

"بابا آپکو اسٹارز والی پوئم سناؤں۔۔۔میں نے انگلش کی کتاب میں پڑھی تھی۔"

ستارے گنتے گنتے وہ اچانک ہی پوچھنے لگی۔

"سناؤ۔"اُن کی اجازت پر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"Twinkle twinkle little star....

How I wonder what you are !?

Up above the world so high

Like a diamond in the Sky !!

اُس نے ایک انداز میں پوری نظم پڑھی تھی۔خضر اور بابا نے تالیاں بجائیں۔

www.novelsclubb.com

"بہت خوب۔" وہ بہت خوش ہو گئی تھی۔ اور پھر دوبارہ اُن کے ساتھ لیٹ گئی۔

"بابا وہ دیکھیں ستاروں کا سوالیہ نشان_____" اُس نے اُفق کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت و خوشی سے کہا۔

کبیر ساحر نے قدرے حیرت سے اُن ستاروں کو دیکھا تھا۔ اُنہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ اِن کا سوالیہ نشان بھی بنتا ہے۔

"اِن ستاروں کو دبِ اکبر کہا جاتا ہے، یہ ہمیشہ اِسی حالت میں پائے جاتے ہیں اور ہمیشہ اکٹھے ہی رہتے ہیں۔" وہ بولے۔

www.novelsclubb.com

"واؤؤؤ۔۔۔۔"

"They are true friends Baba"

وہ خوشگوار احساس تلے بولی تو اُنہوں نے بھی اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔

"تو پھر آپ نے کتنے ستارے گنے؟"

"ابھی تو بس میں نے تیس ستارے ہی گنے تھے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اب آپ کا وقت ختم ہو چکا ہے اب ہم گنیں گے۔"

"نہیں بابا______یہ چیٹنگ ہے، ابھی میں ہی گنوں گی۔"

"نہیں اب ہم گنیں گے۔" وہ اُسے اب کے جان بوجھ کر تنگ کرنے لگے۔

"نہیں میں۔۔۔۔" وہ اب ہنستے ہوئے اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی اُس کے انداز پر ہنسے تھے۔

"او کے پھر آپ آسمان والے ستارے گنیں۔۔۔ میرے تو دو ہی ستارے ہیں جو اِس وقت میرے پاس ہیں، اِنہیں گننے کی مجھے ضرورت ہی نہیں۔"

وہ بولے تو انا خاموشی سے چند پل اُنہیں دیکھتی رہی۔

"چاند تو ایک ہی ہوتا ہے۔۔۔ اور ہمارا چاند آپ ہیں بابا۔" وہ بولی اور پھر ساتھ ہی اُن کے گلے لگ گئی۔

وہاں اُن تین لوگوں کے ارد گرد محبت رقص کر رھی تھی۔اُن کے دل محبت کے نور سے بھرپور تھے۔اُس پل فلک کے ستاروں نے بھی اُن تین افراد پر رشک کیا تھا۔

★★★

اگلے دن صبح اُسے خبر ملی تھی کہ اُسکے ماں باپ کہیں جارھے ھیں۔خضر بھی اُن کے ساتھ جارھا تھا۔اُسے بس یہ معلوم تھا کہ وہ زمین کے کسی مسئلے کے لئے جا رھے تھے۔زمین اور جائیداد کے معاملات کے لئے۔۔۔وہ زیادہ نہیں جانتی تھی مگر اُسے اتنا معلوم تھا کہ جائیداد کیا ھوتی ھے۔

www.novelsclubb.com

"تم اکیلی رہ لوگی نا بیٹا۔۔۔بس کچھ گھنٹوں کی بات ھے پھر ہم واپس آجائیں گے۔"

حنا بیگم اُسکی گال تھپکتے ھوئے پیار سے کہہ رھیں تھیں۔

اِس سے پہلے کے وہ کچھ بولتی اُسکے بابا آگئے تھے۔

"انا میری بہادر بیٹی ھے، اکیلی رہ سکتی ھے۔۔۔ھے نا انا؟" اُنھوں نے اُسکے سامنے نیچے بیٹھ کر مسکراتے ھوئے تصدیق چاھی۔ اور وہ بھاگتی ھوئی اُن کی گود میں چلی گئی تھی۔

"بابا آپ مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔" اُس نے معصومیت سے کہا۔

"آپکا وہاں کوئی کام نہیں ھے نا۔۔۔ خضر بھی آپکے ساتھ ہی رہتا مگر اِس کا وہاں جانا ضروری ھے۔ بلکہ شیری گھر پر ھی ھوگا اُسکے ساتھ کھیلنا اور تب تک ہم واپس آ جائیں گے۔" اُنھوں نے جیسے حل بتایا۔

"ھاں شیری کے ساتھ کھیلنا ______ اُسکے ساتھ تو آپکی دوستی بھی ھے۔"

حنا بیگم نے ایک بار پھر اُسے چہرے پر بوسہ دیا تھا۔

وہ سر اثبات میں ہلاتے ھوئے بابا سے مل کر خضر سے ملی تھی۔

خضر اُسے بہت پیارا لگتا تھا۔ وہ بہت معصوم تھا، کبھی بھی اُسے تنگ نہیں کرتا تھا۔
دونوں ایک دوسرے سے ایک جیسی محبت کرتے تھے۔

وہ تینوں تایا اور تائی کے ساتھ جا رہے تھے۔ کبیر ساحر نے اپنے بھائی کے ساتھ
زمین کے معاملات طے کرنے تھے۔

اُس نے چھت پر کھڑے دیکھا تھا۔ وہ سب لوگ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

تایا کی فیملی ایک گاڑی میں تھی۔ اور کبیر ساحر کی فیملی دوسری گاڑی میں تھی۔ اور
پھر اُس نے اُن دونوں گاڑیوں کو آگے پیچھے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔

اُس دن وہ شیری کے ساتھ کھیلتی رہی تھی۔ اور آج اُنہیں روکنے والا بھی کوئی
نہیں تھا۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔

اُس وقت بھی وہ شیری کے ساتھ چُھپن چھپائی کھیل رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے
ھاتھ رکھے وہ دس تک گنتی گن رہی تھی۔

ایک۔۔۔۔دو۔۔۔

تین۔۔۔۔

چار۔۔۔پانچ۔۔۔۔

چھ۔۔۔۔اور اُسی لمحے گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔

اُس نے ایک جھٹکے سے ھاتھ آنکھوں سے ہٹائے۔اور فوراً ھی کھیل ختم کر کے خوشی سے چہکتی دروازے تک گئی تھی۔

جب بھی اُسکے بابا چھٹی سے گھر واپس آتے تھے تو وہ ایسے ھی بھاگتی ھوئی جاتی تھی۔۔۔اور اُن کے گاڑی سے نکلنے کے ساتھ ھی گلے سے لگ جاتی۔

آج بھی وہ کچھ ایسا ھی سوچ رھی تھی۔وہ لاؤنج کے دروازے کے قریب کھڑی باہر دیکھ رھی تھی۔۔۔۔۔مگر یہ کیا؟

اُسکے چہرے پر موجود ساری ہنسی ایک دم ہی سمٹ گئی تھی۔

کیونکہ اُس نے پورچ میں صرف ایک ھی گاڑی کو داخل ھوتے دیکھا تھا۔اور پھر اُس نے تایا کو گاڑی سے نکلتے دیکھا۔پھر تائی کو۔۔۔اور پھر مہربان کو۔اُن تین لوگوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔

نہ اُسکے بابا۔۔۔۔نہ ماں۔۔۔۔اور نہ ھی خضر۔

"انا کیا ھوا؟"شیری پیچھے سے کہتا ھوا اُسکی جانب بڑھا تھا۔مگر اُس نے نہیں سنا۔

"تایاابو،بابا کہاں ھیں؟"وہ اُنہیں اُس کے قریب سے گزر کر لاؤنج میں داخل ھوتے دیکھ کر بولی۔

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر جا بیٹھے تھے۔تائی بھی اُن کے پیچھے تھیں۔

"تایاابو بتائیں نا۔۔۔۔بابا کہاں ھیں؟"وہ بھاگتی ھوئی اُن تک پہنچی تھی۔

"وہ۔۔۔تمہارے بابا۔۔۔۔"وہ اتنا ہی بولے۔اُن کا چہرہ اُترا ھوا لگ رھا تھا۔

"کیا ھوا؟" اب کے وہ واقعتاً پریشان ھوئی تھی۔اُس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔اُس نے چہرہ تائی کی جانب گھمایا۔

"تمہارے بابا کا ایکسیڈینٹ ھوگیا ھے اور بد قسمتی سے وہ تینوں نہیں بچ سکے۔"تائی نے صاف گوئی سے کہا۔

پورے کا پورا آسمان تھا جو اُس کے سر پر آن گرا تھا۔کلیجہ جیسے حلق میں آگیا ھو۔

یہ اُس نے کیا سُنا تھا؟

"آپ۔۔۔۔آپ جھوٹ بول رھی ھیں۔۔۔کیوں کہہ رھی ھیں آپ اِس طرح۔۔؟"آواز جیسے کسی کھائی سے آرھی تھی۔وہ بے یقین تھی۔اُسے لگا جیسے اُسکی نظریں پتھرا جائیں گی۔

"کیوں جھوٹ بول رھی ھیں آپ؟"وہ یکدم ھی چلانے لگی تھی۔

شہریار اپنی جگہ پر بالکل ساکت کھڑا تھا۔

"یہ سچ کہہ رہی ہیں انا۔۔۔۔ تمہارے ماں باپ اور تمہارا بھائی تینوں مر چکے ہیں۔" تایا نے کہا۔ یہ الفاظ نہیں تھے۔۔۔ کوئی زہر آلود خنجر تھا جو انا کو اپنے سینے میں چبھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اُس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ دل کی دھڑکن جیسے رُکنے لگی تھی۔ قدموں میں اتنی جان باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کھڑی رہ پاتی۔ پل کے ہزارویں حصے میں وہ گھٹنوں کے بل نیچے گری تھی۔ اُسکا دم گُھٹ رہا تھا۔

"تینوں مر چکے ہیں۔" تایا کے الفاظ اُسکے ذہن پر چابک کی طرح لگ رہے تھے۔

وہ رو نہیں پا رہی تھی۔ وہ بے یقین تھی۔ اتنی بے یقین کہ زندگی میں پہلی بار اُسے اتنی بے یقینی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اُسکے خشک ہوتے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر ڈھے چکی تھی۔ شیری بھاگ کر اُسکے لئے پانی لے کر آیا تھا۔

اُس نے زبردستی پانی کا ایک گھونٹ اُسکے منہ میں اُتارا تھا۔

شیری نے باری باری اپنے باپ، اپنی ماں اور اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔۔۔وہ حیران تھا کہ اتنا سب کچھ ھو جانے کے بعد بھی وہ کیسے اِس طرح سے بیٹھ سکتے تھے۔

"شیری۔۔۔۔میرے بابا۔۔۔میرا۔۔۔بھائی۔۔۔وہ۔۔۔کیسے۔۔؟" اُسکے الفاظ لبوں میں ھی دم توڑ گئے تھے۔

اُسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کیا بول رھی ھے۔۔۔اُسکا دماغ سُن ھو چکا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

www.novelsclubb.com

"یہ کیسے۔۔۔۔کیسے۔۔۔ ممکن ھے؟" کچھ ٹوٹے ھوئے الفاظ اُسکے لبوں سے نکلے تھے۔ وہ اتنا آہستہ بول رھی تھی کہ صرف شیری ہی سن پا رھا تھا۔ انا کو لگا جیسے کوئی اُسکے جسم سے جان کھینچ رھا ھو۔

شیری نے اُسے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔اور اُسی لمحے اُسکی آنکھ سے آنسو ٹپکا تھا۔وہ ضبط کھو کر رونے لگی تھی۔شیری بھی رو رھا تھا۔اُسے ابھی تک کچھ بھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ سب ھوا کیا ھے؟

تائی اُٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی اور اُسکے ساتھ ہی مہربان بھی تھکے ھوئے آثار لئے کمرے میں چلا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد تایا بھی لاؤنج سے باہر نکل گئے تھے۔

مگر وہ دو نفوس جانے کتنی ھی دیر وہاں بیٹھے روتے رھے تھے۔انا روتے روتے وہیں بے ہوش ھوگئی تھی۔شہریار نے جلدی سے اُسے صوفے پر لٹایا تھا۔وہ یخ پڑتی جا رھی تھی۔دسمبر کا سرد مہینہ تھا اور کھڑکی سے باہر یوں لگتا تھا جیسے برف پڑ رھی ھو۔انا کا وجود سرد پڑ چکا تھا۔شیری نے گرم پانی کے چند قطرے اُسکی آنکھوں پر ڈالے تھا۔وہ ایک پل میں ہوش میں واپس لوٹی تھی۔شیری نے اُسکے سامنے پانی کا گلاس کیا تو وہ غائب دماغی سے اُسے دیکھتی رھی۔

بے تاثر نگاھوں میں اچانک ھی تکلیف نمودار ھونے لگی تھی۔

"شیری میرے بابا۔۔۔میری ماں۔۔۔خضر۔۔۔؟"آنسو ایک بار پھر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

"انا______حوصلہ کرو۔"پچھلے تین گھنٹوں میں پہلی بار شیری کی زبان سے کچھ لفظ نکلے تھے۔

وہ اُسے حوصلہ کرنے کو کہہ رہا تھا اور خود بھی رو رھا تھا۔

"میں کیا کروں گی شیری۔۔۔؟میں اُن کے بغیر کیسے رھوں گی؟"اُس کی زبان کانپنے لگی تھی۔

"میں تو اُن کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"اُسکی نم آنکھوں میں خوف تھا۔وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رھی تھی۔اُسکا دل چاہ رھا تھا کہ وہ چیخے،زور زور سے چلائے،وہ چلا ھی نہیں پارھی تھی۔اُسے لگا تھا جیسے اُسکی آواز ھی کھو گئی ھو۔

شیری کا دل کیا تھا کہ کہیں بھاگ جائے، اُس سے انا کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"وہ واپس نہیں آئیں گے کیا؟" انا کے سوال دل دہلا دینے والے تھے۔ وہ رو رہی تھی اور وہ شیری کو بھی رُلا رہی تھی۔

"وہ نہیں مر سکتے۔۔۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر جا سکتے ھیں۔۔۔" اُس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

اُسے اپنا دل پھٹتا ھوا محسوس ھو رہا تھا۔

"انا میری بہادر بیٹی ھے اکیلی رہ سکتی ھے۔" اُن کا انداز فخریہ تھا۔

اب وہ اُنہیں کیسے بتاتی کہ وہ اکیلی نہیں رہ سکتی۔

"ہم جلدی واپس آجائیں گے۔" اُن کے آخری الفاظ اُس بارہ سال کی بچی کے کانوں میں گونج کر رہ گئے تھے۔

"آپ آئے کیوں نہیں بابا____؟" یہ جملہ نہیں تھا۔۔۔وہ قرض تھا جسے وہ چُکا نہیں پائے تھے۔

"میرے گھر والے اِس طرح نہیں مر سکتے شیری۔۔۔۔ تمہیں پتا ہے نا۔۔۔یہ ممکن نہیں ہے نا شیری۔"

اُسے لگا تھا وہ پاگل ہو جائے گی۔

وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج کو عبور کر کے داخلی دروازے تک پہنچی تھی۔شاید کسی اُمید کے تحت۔۔۔۔کوئی آس تھی جو اُسے وہاں لے گئی تھی۔

مگر اُسی اثنا۔۔۔۔

گھر کے باہر ایک شور گونجا تھا۔اور پھر تیزی سے دروازہ کھلا۔

وہاں باہر لوگوں کی بھیڑ تھی۔اور اِسی بھیڑ میں وہ تینوں بھی تھے۔مگر لوگوں کے کندھوں پر۔

www.novelsclubb.com

سفید کپڑے کے نیچے۔۔۔۔

اُس بچی کے قدموں نے اُسکا ساتھ نہیں دیا تھا۔وہ وہیں گر گئی تھی۔

اُن تین لوگوں کے جنازے اُس کے سامنے تھے۔وہ تین لوگ جو اُسکی زندگی تھے۔وہ تین لوگ جن پر اُسکی خوشیوں کا اختتام ھوتا تھا۔

وہاں موجود عورتوں میں سے ایک عورت اُٹھ کر اُس کے پاس آئی تھی اور پھر اُسے اُن جنازوں تک لے گئی۔

انا کی ہمت ھی نہیں ھوئی کہ وہ اُن کے چہرے دیکھتی۔اُسے لگا تھا وہ مر جائے گی۔ پانچ سال کا خضر اُسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ابھی کل کی ھی بات تھی جب وہ اُسکے ساتھ بیٹھی ستارے گن رھی تھی۔وہ کتنی ھی دیر یوں بے حس و حرکت بیٹھی رھی۔

مگر پھر حقیقت کو جُھٹلانے کی ایک آخری کوشش کی تھی اُس نے۔

اُس نے ایک جنازے کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تھا۔ زندگی جیسے موت کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اُس نے اپنے معصوم بھائی کا چہرہ دیکھا تھا۔ جس کی آنکھیں اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔ جیسے ٹوٹے ہوئے کچھ کانچ اُس کے سینے میں آ لگے تھے۔ کیسی بے بسی تھی، وہ اپنے بھائی کی موت پر چیخ بھی نہیں پا رہی تھی۔

ارد گرد بیٹھی خواتین اونچی اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ وہ شاید اُسے کچھ کہہ بھی رہی تھیں۔ مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔

"یہ بیٹی ہے ان کی ______ ایک ہی بیٹی تھی اِن کی، برا ہوا بیچاری کے ساتھ۔" کسی نے کہا تھا۔

اُس نے دوسرے جنازے تک خود کو حرکت کرتے پایا۔ اذیت کی انتہا تھی۔ کپڑا ہٹاتے ہوئے اُسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُسکی ماں کا جنازہ اُسکے سامنے پڑا تھا۔

زندگی نے کیا دن دکھایا تھا اُسے۔۔۔۔


NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اُس نے اپنی ماں کے چہرے ہر بوسہ دیا تھا۔کچھ آنسو اُن کے چہرے پر جا گرے تھے۔ٹوٹے ہوئے کانچ اب دل میں چبھ رہے تھے۔وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پا رہی تھی۔

"میری بیٹی مجھ سے بہت پیار کرتی ہے،ہے نا میری گڑیا؟"ماں کے کہے گئے الفاظ اُسکے ذہن کے پردوں پر لہرائے تھے۔اُسے آکسیجن کی بے حد کمی محسوس ہوئی تھی۔

وہ تیسرے جنازے کو دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

شہریار دروازے کے ساتھ لگا اُسے دیکھ رہا تھا۔

"انا میری بہادر بیٹی ہے۔۔۔"اُسے لگا تھا اُسکا دماغ پھٹ کر فنا ہو جائے گا۔

"دیکھ لو بیٹا۔۔۔۔آخری بار دیدار کر لو اُن کا۔"

کسی عورت کی آواز اُسکے کانوں میں پڑی تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ آنکھیں میچ کر خود کو حواس میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اُس آخری جنازے تک پہنچی تھی۔ اُس نے بے صبری سے وہ سفید کپڑا اُن کے چہرے سے ہٹایا۔ ایک المناک چیخ اُسکے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔ وہ سہہ نہیں پا رہی تھی۔ اُسے لگا تھا کہ وہ بس ابھی مر جائے گی۔ مگر سانس رُکی ہی نہیں۔ اُس نے اپنے دل کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

وہ رو رہی تھی۔ اُسکے آنسوؤں میں اُسکے بابا کا چہرہ دھندلا گیا تھا۔ کسی نے اُسے پیچھے سے پکڑ کر سہارا دیا تھا۔

"میرے بابا۔۔۔" کس شدت سے پکارا گیا تھا۔

وہ اُن کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لئے رو رہی تھی۔

ضبط ٹوٹ چکا تھا۔ تکلیف حد سے بڑھ کر تھی۔

پتا نہیں کتنی ہی دیر وہ اُن کے جنازے پر سر جھکائے روتی رہی تھی۔

وقت کیا کھیل کھیل گیا تھا اُس کے ساتھ۔تقدیر کا پلڑا ایک بار پھر بھاری ھو چکا تھا۔

"وقت ہو گیا ھے______ چلو اُٹھاؤ اِنہیں۔" کافی دیر بعد کچھ لوگ جنازے اُٹھانے کو آئے تھے۔ارد گرد بیٹھی خواتین اُٹھ کر راستہ دینے لگی تھیں۔

وہ بوکھلا کر اپنے بھائی کے جنازے کی طرف بھاگی تھی۔پھر ماں کے جنازے کی طرف۔۔۔اُسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔کس کو روک لے اور کس کو جانے دے۔اُس نے خود کو بے بس پایا تھا۔وہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی روک نہیں پائی تھی۔

زندگی اُسکے ھاتھوں سے نکلتے ھوئے دور بہت دور چلی گئی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔سامنے اُس دروازے کو دیکھ رھی تھی جہاں سے اُس نے کئی بار اپنے بابا کو داخل ھوتے ھوئے دیکھا تھا۔

اُسے یاد تھا سامنے اُن پودوں کے قریب کھیلتا ہوا خضر۔اُسکی آنکھیں اب خشک ہو چکی تھیں۔بالکل خشک۔اُسے رونا ہی نہیں آرہا تھا۔تکلیف اندر تھی۔دل اذیت میں تھا۔

آہستہ آہستہ سب لوگ چلے گئے تھے۔

شام ہوگئی تھی اور وہ وہیں اُسی جگہ پر بیٹھی تھی۔شہریار کتنی بار اُسے اندر لے جانے کو آیا تھا مگر وہ وہاں سے اُٹھ نہیں رہی تھی۔

وہ اُسکی حالت دیکھ کر خود بھی رو رہا تھا۔

"ماما اُسے بلائیں نا۔۔وہ بہت تکلیف میں ہے۔"وہ اندر جا کر اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔

"تکلیف میں ہے تو بیٹھے رہنے دو اُسے وہاں ______ جب ٹھنڈ لگے گی تو خود ہی اندر آجائے گی۔اور اب اگر تم اُس کے پاس گئے تو واپس مت آنا۔"اُنہوں نے

اُسے سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔وہ اپنی ماں کے اِس رویے پر بہت پریشان ھوا تھا مگر اب وہ اُسکے پاس باھر بھی نہیں جاسکتا تھا۔

★★★

کافی دیر بعد اُسے بے حد ٹھنڈک کا احساس ھوا تھا۔اُسے لگا تھا جیسے وہ جمنے لگی ھے۔

دسمبر کی یخ بستہ رات تھی اور وہ باھر ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔

وہ لاؤنج کے دروازے کی طرف لپکتے ھوئے بڑی مشکل سے اندر پہنچی تھی۔لاؤنج میں سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ھوا تھا۔

اُس کمرے سے کچھ باتوں کی آوازیں آرھی تھیں۔

بے اختیار ھی اُسکے پاؤں کمرے کا رُخ کرنے لگے تھے۔

وہ ننگے پاؤں بغیر چاپ پیدا کیے کمرے کی جانب بڑھی۔اور اُس لمحے کمرے کے باہر کھڑی اُس بارہ سال کی بچی کے کانوں نے جو سنا تھا وہ اُسکے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔

"انا کو اِس سب کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں چلنا چاھئے، جب تک ہم اُس سے جائیداد کے کاغذات سائن نہیں کروا لیتے تب تک اُسے کچھ بھی پتا نہیں چلنا چاھئے کہ اِن سب کی موت کے ذمہ دار ہم ھیں۔" تایا کی محتاط آواز اُسکی سماعت میں پڑی تھی۔ سب کچھ اُسکی سمجھ سے باہر ھو رھا تھا۔

"ظہیر مجھے ڈر ھے کہ کہیں ہمیں اُس لڑکی کی بد دعا نہ لگ جائے۔" تائی بول رھی تھیں۔

"اُسکی بد دعا ھمیں کیوں لگے گی، ہمارے بچوں کی بد دعا نہ لگتی اُسے جب وہ اپنی ساری جائیداد اپنی اولاد کے نام کرنے جا رھا تھا۔ ہمارے حصے میں کیا رہ جاتا؟ وہ دو کوڑی کی زمین جو وراثت میں میرا باپ چھوڑ گیا بس وہی؟ کبیر اپنے بچوں کے ساتھ عیش کی زندگی گزارتا اور میں بس اُسکا منہ دیکھتا رہ جاتا۔ کوئی پچھتاوا نہیں ھے اُسکی موت کا۔ اب یہ گھر بھی ہمارا ھو گا اور ساری زمینیں بھی۔ اور اُسکی بیٹی۔۔۔ اُسکا بھی کوئی بندوبست کر لوں گا میں۔ بس ابھی کے لئے اُسے پتا نہیں چلنا چاھئے کہ اُسکے

گھر والوں کو ہم نے مارا ھے۔" جانے ابھی اور کتنے آسمان اُسکے سر پر گرنے تھے۔

تایا کی باتوں پر اُسے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا محسوس ھونے لگا تھا۔اور کتنے صدمے تھے۔۔۔جو اُسے سہنے تھے۔اور کتنی تکلیفیں تھیں جو اُسے اُٹھانی تھیں۔ کھڑے رھنا محال ھو رھا تھا۔وہ وہیں فرش پر ڈھے گئی تھی۔ جانے اور کتنی بار اُسے گرنا تھا۔

اُسکے گرنے کی آواز اندر تک گئی تھی اِسی لئے ظہیر اور اُسکی بیوی تیزی سے باہر آئے تھے۔

اُن کے پیچھے اُن کے دونوں بیٹے بھی تھے۔

اُسے وہاں دیکھ کر تایا کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔انا نے چہرہ اُٹھا کر اپنے سامنے کھڑے افراد کو دیکھا۔

کیا تھا اُن نگاھوں میں جس نے شہریار کے دل کو چُور کر دیا تھا۔

اُسکی آنکھوں میں تایا کو دیکھ کر اُبلنے والی نفرت اور تکلیف حد سے زیادہ تھی۔

اُس نے بولنا چاھا۔۔۔۔چند لمحے کے لئے وہ بول نہیں پائی۔

"کیوں کیا ایسا؟ میرے بابا کو کیوں مار دیا تم لوگوں نے۔۔۔کیا بگاڑا تھا اُنہوں نے تمہارا؟" اور پھر وہ چلائی تھی اور ساتھ ھی کسی بپھرے ھوئے شیر کی طرح تایا پر جھپٹ پڑی تھی۔

ظہیر تایا نے سختی سے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر پیچھے کو دھکا دیا۔وہ دوبارہ وہیں گر گئی تھی۔

"قاتل ھو تم۔۔۔۔تم نے قتل کر دیا میرے گھر والوں کو۔۔۔۔تم نے قتل کر دی میری پہچان۔۔۔۔قاتل ھو تم۔" وہ چیخ رھی تھی۔اُسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ چیخنے کی وجہ سے گلا بیٹھنے لگا تھا۔

"چپ کرو لڑکی۔۔۔چپ کر جاؤ۔"تایا نے اِس قدر اونچی آواز میں کہا تھا کہ وہ ایک پل کے لئے سہم گئی۔وہ اب اُسے بازو سے پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف گھسیٹ کر لے جارہے تھے۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔اللہ تمہیں غرق کر دے گا۔۔۔قاتل ہو تم۔"وہ مسلسل چلاتے ہوئے رو رہی تھی۔

"بابا۔۔۔۔چھوڑ دیں اُسے۔"شہریار نے بے تابی سے اُسکے پیچھے جانے کی کوشش کی تھی مگر مہربان نے اُسے دبوچ لیا تھا۔

"مہربان چھوڑو مجھے۔۔۔۔تم قاتل ہو۔۔۔تم سب کے سب قاتل ہو۔"وہ خود کو چھڑاتے ہوئے نفرت سے چلایا تھا۔

"اِسے اندر لے جاؤ۔"اُسکی ماں نے مہربان کو دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا۔

www.novelsclubb.com

"تم لوگ میرے کچھ نہیں لگتے۔۔۔میں قاتل کا بیٹا نہیں ھو سکتا۔" مہربان اُسے کھینچ کر اندر لے گیا تھا۔وہ چیختا رہ گیا۔

تایا نے اُسے اوپر اسٹور روم میں بند کر دیا تھا۔

"چپ کر کے یہاں پڑی رھو۔۔۔ورنہ تمہارا حال بھی وہی ھو گا جو باقیوں کا ھوا۔" وہ غصے سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔

★★

آدھی رات کا وقت تھا۔اُس نے تھوڑا سا بستر نیچے کر کے آنکھیں اِدھر اُدھر گھمائیں۔سب لوگ گہری نیند میں سو رھے تھے۔

وہ دھیرے سے اُٹھا اور بغیر کوئی آواز پیدا کئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے کے باہر تھوڑے فاصلے پر بائیں جانب کچن تھا۔وہ آہستگی سے آگے بڑھتا کچن کے اندر چلا گیا۔اُس نے اپنا سانس تک روک رکھا تھا۔

اُس نے دیکھا وہاں صبح والا کچھ کھانا رکھا تھا۔اُس نے کھانا ایک پلیٹ میں ڈالا اور ساتھ پانی کا گلاس رکھتا وہ ٹرے اُٹھائے بڑی رازداری سے باہر نکلنے لگا۔ مگر اِس سے پہلے کے وہ باہر قدم رکھتا اُس نے کوئی آواز سنی تھی۔

وہ پیچھے ہٹ گیا۔اور پھر چند لمحے بعد دھیرے سے باہر دیکھا۔اُس کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی۔

ظہیر لاؤنج میں داخل ہو کر اب اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اور پھر وہ کمرے میں چلا گیا۔ شہریار نے بے اختیار ہی سانس لیا تھا۔ ظہیر آدھی رات کو گھر لوٹ رہا تھا۔ یہ بات اُسکے لئے نئی نہیں تھی۔وہ ہر رات بہت دیر سے ھی گھر آتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کمرے سے باہر نہ نکلا تو شہریار کچن سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔اُسکے قدم بہت محتاط تھے۔

وہ آہستگی سے سیڑھیاں چلتا اوپر چلا گیا تھا۔اسٹور روم کا دروازہ کھولتے ھی شیری کی نظر اُس پر پڑی تھی۔کمرے میں چھوٹی سی زرد بتی روشن تھی۔وہ یوں بیٹھی تھی جیسے اُسکا وجود بے جان ھو چکا ھو۔

اُس نے شہریار کو دیکھا۔اُس کے وجود میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اُٹھ سکتی ورنہ وہ شیری سے پوچھنا چاھتی تھی کہ کیا یہ تھی تمہاری دوستی؟اُسکی نظروں میں سب کچھ تھا۔نفرت۔۔۔غصہ۔۔۔درد۔۔۔تکلیف!

وہ کیا کیا ظاہر کرتی۔

شیری نے کھانے کا ٹرے ایک طرف رکھا اور پھر خود بھی اُسکے قریب ھی نیچے بیٹھ گیا۔

"تمہارے لئے کھانا لایا ھوں میں۔۔۔ صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔۔۔ کچھ کھا۔۔۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا مگر انا نے اُسکی بات کاٹی۔

"کیوں شیری؟ کیوں اچھے بن رہے ھو۔۔۔اب تو میں سب کچھ جان گئی ھوں، تم سب لوگ قاتل ھو، تم سب جھوٹے ھو، سب نے مجھے دھوکہ دیا ھے۔ کیوں کیا ایسا؟" وہ ٹوٹے ھوئے لہجے میں بولی۔

"تم غلط سمجھ رھی ھو انا۔۔۔۔ میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا ھے۔" وہ بیچارگی سے بولا۔

"تمہارے باپ نے میرے معصوم بھائی کو مار دیا، میرے جان سے پیارے بابا جان کو جدا کر دیا مجھ سے۔۔۔۔ میری ماں کو چھین لیا گیا، کیا تم نہیں جانتے تھے۔۔۔؟ کیا تم ایک قاتل کے بیٹے نہیں ھو؟" وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی۔ وہ گھٹنوں میں چہرہ کیے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

شیری چند منٹ اُسے بے بسی سے دیکھتا رھا۔وہ روتے روتے خود ہی خاموش ھوگئ تھی۔

"یہ میری بد قسمتی ھے کہ میں اُن کا بیٹا ھوں،میں نے خود اُن کا اصلی چہرہ آج دیکھا ھے،انھوں نے اپنے بھائی کو مار دیا یہ جان کر جتنی بے یقین تم ھو اُتنا میں بھی ھوں۔"وہ اُسے یقین دلانے کی کوشش کر رھا تھا کہ وہ بے قصور ھے۔وہ خاموش رھی۔

"میرا یقین کرو انا۔۔۔۔میں دوست ھوں تمہارا اور ہمیشہ رھوں گا۔۔۔میں کبھی بھی تمھیں تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔"اُسے سمجھ نہیں آرھی تھی کہ وہ اُسے کیسے یقین دلائے۔

"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رھوں گا،ہمیشہ تمہارا ہی ساتھ دوں گا انا۔۔۔۔تم اکیلی نہیں ھو،جب تک میں تمہارے ساتھ ھوں۔"اُسکی باتوں میں سچائی تھی،امید تھی۔انا نے بے بس نگاھوں سے اُسے دیکھا۔

"میرا یقین کرو۔" شیری نے آنکھوں میں اُمید لئے اُسے دیکھ کر نرم لہجے میں کہا۔

شیری کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ دیکھ سکتی تھی۔

انا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ زخمی سے انداز میں مسکرایا۔

شاید یہ شیری ہی تھا جس کے سہارے کی اِس وقت اُسے ضرورت تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اُسکے کندھے پر سر رکھے ہوئے تھی اور وہ اُسے نوالے توڑ کر کھلا رہا تھا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اِن سے آزادی دلواؤں گا اور کبھی بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" اُس نے اپنے کندھے پر گیلا پن محسوس کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہی کھانا کھا چکے تھے۔ شہریار اب واپس جانے کے لئے اُٹھا تھا۔

مجھے یہاں ڈر لگ رہا ھے شیری۔۔۔۔مت جاؤ۔"اُس نے اُسے روکنا چاہا۔

"تمہیں آج یہاں اکیلے ھی رہنا پڑے گا۔کیونکہ اگر کسی نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو وہ اِس کمرے کو لاک کر دیں گے۔پھر میں کبھی بھی تمہیں یہاں سے نکال نہیں سکوں گا۔اپنا خیال رکھنا۔"وہ چلا گیا تھا۔

مگر جاتے جاتے اُسے یہ اُمید ضرور دے گیا تھا کہ اُس نے اپنا سب سے اچھا دوست نہیں کھویا ھے۔وہ اب بھی اُس کے ساتھ کھڑا تھا۔

اگر آج وہ اُسے یہ اُمید نہ دے کر جاتا تو شاید وہ اِسی اسٹور روم میں مر جاتی۔

اور پھر مشکل چاھے کتنی بھی بڑی کیوں نہ ھو،تکلیف چاھے جتنی بھی گہری ھو، انسان کو جینا ھی پڑتا ھے،اُمید کبھی بھی ختم نہیں ھوتی۔کوئی نہ کوئی اُمید تو باقی رہ ھی جاتی ھے۔اور وہ اُس کے لئے ایسی ھی اُمید بن کر آیا تھا۔

★★

اگلے دن شام کو وہ ظہیر کے باہر جانے کا انتظار کرتا رہا۔اور جوں ہی وہ گھر سے نکلا تو اُس نے اپنی ماں اور اپنے بھائی کے کمرے کو باہر سے لاک کر دیا تھا۔

اُسکے پاس وقت کم تھا۔جو منصوبہ اُس نے تیار کیا تھا،اُسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اِس میں کامیاب ہو گا بھی یا نہیں۔

وہ جلدی سے انا کو اسٹور روم سے نکال کر عقبی دروازے کی طرف لے گیا تھا۔

"جب سامنے کوئی راستہ نظر نہ آئے تو بیک ڈور کا استعمال کر لینا چاھئے۔"انا کو اُس لمحے اپنے بابا کی بات یاد آئی تھی۔

جیسے ہی وہ اُس دروازے کے قریب پہنچے تو اُنہیں پیچھے سے کچھ آوازیں آئی تھیں۔

"لگتا ھے اُنہیں پتا چل چکا ھے، جلدی بھاگو تم۔۔۔میں آجاؤں گا۔"وہ پھولے ھوئے سانس سے کہہ رہا تھا۔

دروازے کو تالا لگا ھوا تھا لیکن وہاں کوئی گارڈ نہیں تھا۔اُنہیں اُس دروازے کو پھلانگ کر باہر جانا تھا۔

"جلدی چڑھو۔۔۔وہ لوگ قریب آرھے ھیں۔" شیری نیچے جھکا ھوا تھا۔انا نے اُس کے اوپر پاؤں رکھا اور پھر دیوار پر چڑھ گئی۔

"شیری جلدی کرو۔" انا نے خوفزدہ ہو کر اُن گارڈز کو دیکھا جو اُن کے بالکل قریب آچکے تھے۔

"پکڑو اُنہیں۔۔۔بھاگنے نہ پائیں۔" گارڈ نے کہا۔

اور اِس سے پہلے کہ شیری دیوار پر چڑھ پاتا وہ گارڈز کی گرفت میں آچکا تھا۔

انا کی آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔اُسے لگا جیسے اُس کا دل کسی نے اپنے شکنجے میں لے لیا ھو۔

"بھاگو انا۔۔۔۔چلی جاؤ۔۔۔"شیری گارڈز کے ھاتھوں میں کسی مچھلی کی مانند مچلتا کہہ رہا تھا۔

انا نے روتے ھوئے نفی میں سر ہلایا۔وہ اپنے اِس آخری شخص کو نہیں کھونا چاھتی تھی۔

ایک گارڈ اب اُسکی طرف بڑھ رہا تھا۔اور دوسرا دروازہ کھول رہا تھا۔

"شیری۔۔۔۔"اُس نے ایک آخری بار اُس شخص کا نام پکارا تھا۔کیا تھا اُس آواز میں شیری کے لئے؟دُکھ،تشکر،شکوہ۔۔۔

"جاؤ انا۔۔۔۔تمہیں ابھی اور جینا ھے۔۔۔"تکلیف تو شیری کے چہرے سے بھی ٹپک رھی تھی۔اور وہ کود گئی تھی۔

دوسری جانب وہ گھٹنوں کے بل نیچے گری تھی۔بہت کم لوگ ھی گر کر اُٹھنے کی ہمت رکھتے ھیں۔اور وہ اپنے اندر وہی ہمت لائی تھی۔وہ اُٹھ پڑی تھی۔۔۔پھر کبھی نہ گرنے کے لئے۔

★★

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

www.novelsclubb.com